بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے مصاحبین دورہ امریکہ کی "شاندار کامیابی" کے بارے میں جو دعوے چاہیں کرتے رہیں اور جس قسم کے جشن چاہیں مناتے رہیں مگر پوری دنیا کا تاثر یہی ہے کہ یہ دورہ کامیاب نہیں رہا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وزیر اعظم نے جس والہانہ انداز میں امریکہ کی دوستی کا دم بھرا ہے امریکی صدر نے اُس کے مقابلے میں بڑی سرد مہری کا اظہار کیا ہے۔ پھر ہتھیاروں کے بارے میں بھی امریکہ نے ٹکا سا جواب دیا ہے اور نہایت واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا ہے کہ وہ ہمیں کوئی جنگی ہتھیار دینے پر تیار نہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو سب لوگوں کے سامنے آچکی ہیں۔ مگر ایک خاص بات جسے اہل پاکستان سے التزام کے ساتھ مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اس ملک کے نظام حکومت سے تعلق رکھتی ہے۔ امریکہ کے اہلِ فکر، امریکی حکومت کے سربراہ اور دوسرے اہم عہدیدار اور امریکی اخبار نویس وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے یہ بار بار استفسار کرتے نظر آتے ہیں کہ پاکستان میں حکومت کا ڈھانچہ کیسا ہے؟ کیا یہ جمہوری ہے یا فاشسٹ؟ اگر یہ جمہوری ہے تو اسے جمہوری تقاضوں کے مطابق کیوں نہیں چلایا جا رہا اور اگر یہ فاشسٹ ہے تو اس حقیقت کا برملا اظہار کیوں نہیں کیا جاتا اور فاشسٹ نظام حکومت کو جمہوریت کا نام دے کر دنیا کو کیوں دھوکہ دیا جاتا ہے؟ اسی قسم کے سوالات کا وزیر اعظم کو قریب قریب ہر جگہ سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک جگہ جہاں انہوں نے نظام حکومت کے جمہوری ہونے پر زیادہ اصرار کیا وہاں اُن سے یہ کہا گیا کہ اگر پاکستان کا نظام حکومت جمہوری اصولوں کے مطابق چلایا جا رہا ہے تو پھر حزبِ اختلاف کے ساتھ اُن کے اس "حسن سلوک" کا کیا جواز ہے جس کی مثالیں فسطائی نظام حکومت میں تو ملتی ہیں مگر جمہوریت کا دامن ان سے قریب قریب پاک ہوتا ہے۔ حزبِ اختلاف کے ساتھ اپنے اس ناروا اور غیر جمہوری طرزِ عمل کو جائز اور درست ثابت کرنے کے لیے وزیر اعظم نے جو بات کی وہ ان کی دوسری باتوں کی طرح بالکل "لاجواب"

تھی ۔انہوں نے یہ کہہ کر معترضین کا منہ بند کرنے کی کوشش کی کہ چونکہ پاکستان کے لوگ عموماً تندخو (ص ۱۷۱) ہیں اور پاکستان میں مسلمہ پارلیمانی اقدار اور اصولوں کے مطابق کام نہیں چلایا جا سکتا لہٰذا وہ حزب اختلاف کے خلاف متشددانہ کارروائیاں کرنے پر مجبور رہیں ۔ممکن ہے کہ وزیراعظم نے اپنے ذہن کے مطابق اس نوعیت کے مختلف سوالات کا یہی مسکت جواب سمجھا ہو اور اس جواب پر وہ بڑے مسرور ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جواب سے انہوں نے نہ صرف امریکہ میں بلکہ پوری دنیا میں پاکستانی قوم کی تذلیل کی ہے اور اس سے یہ تاثر دیا ہے کہ اس قوم کے تندخو غیر مہذب اور جارح ہونے کا جو پراپیگنڈا اس کے مخالفین بڑے زور شور سے کر رہے ہیں وہ بالکل درست ہے ۔پھر انہوں نے یہ بات کہہ کر ان ساری دھاندلیوں، تشدد کی کارروائیوں ، ناانصافیوں اور زبردست آزاریوں کو جواز فراہم کیا ہے جو اس ملک میں برسراقتدار طبقوں کا معمول بن گئی ہیں ۔جب ایک بار یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ قوم جمہوریت کے اہل ہی نہیں تو پھر جو شخص بھی یہاں اس کا گلا گھونٹتا ہے وہ اس کا بہی خواہ ہے اور جو جمہوریت کا نام لے کر اپنی سیاست کی دکان چمکاتا ہے وہ پرلے درجے کا عیار اور دھوکے باز ہے اور جمہوریت کے نام پر پوری قوم کے ساتھ بڑا اشتر مناک کھیل کھیلتا ہے ۔ایسا شخص جب دوسرے اصحاب اقتدار کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں اور کارروائیوں پر زبان طعن کھولتا ہے تو اس کا مقصد محض ان کی شخصیتوں کو بدنام کرنا ہوتا ہے ان کے جمہوریت کُش طرز عمل سے اسے کوئی دلی نفرت نہیں ہوتی بلکہ وہ اُسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں میں اس طرز عمل کو ہی صحیح اور درست سمجھتے ہوئے اسے اپنانے کا آرزومند ہوتا ہے ۔

خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے لوگ جو چاہیں کہتے رہیں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ قول و عمل کے تضاد سے انسان کے وقار کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے خصوصاً جب اس تضاد کا مظاہرہ کسی قوم کے مقتدر لوگوں کی زندگیوں میں ہو تو اس سے نہ صرف ان سربراہوں کی ساکھ گرتی ہے ،بلکہ داخلی طور پر قوم کے اندر مایوسی پھیلتی ہے اور باہر کی دنیا میں بھی وہ بُری طرح رسوا اور بدنام ہوتی ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقت کے جراثیم اس قوم کے رگ و پے میں سرایت کرنے کی وجہ سے وہ کوئی باضمیر قوم نہیں رہتی بلکہ مفاد پرست طالع آزما اور بے ضمیر لوگوں کا ایک ٹولہ بن کر

رہ جاتی ہے جو اپنی وفاداریوں کو اقتدار کی دھوپ چھاؤں کے ساتھ ہر آن بدلنے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے بے ضمیر اور بے اصول ٹولے کی وہ گروہ اور قومیں کس طرح پذیرائی کرسکتی ہیں جو اپنے آپ کو چند اصولوں کی علمبردار اور چند مخصوص نظریات کی حامل سمجھتی ہیں۔ دنیا اتنی بے توف نہیں کہ وہ کسی اصول و نظریہ کے عملی مضمرات سمجھنے سے قاصر ہو۔ مثال کے طور پر اگر حکومت پاکستان کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کریں کہ وہ جمہوریت کے حامی اور علمبردار ہیں اور اسی نظام کے مطابق امورِ مملکت چلا رہے ہیں تو دنیا محض ان کے اس خوش کن دعوے کو سُن کر ان پر یقین نہیں کرلے گی بلکہ ان کے اس دعوے کی صداقت کو جانچنے کے لیے یہ دیکھے گی کہ وہ عمل کے میدان میں کہاں تک مخلص ہیں۔ جمہوری نظام دیوانے کا خواب نہیں جس کی جو تاویل بھی کرلی جائے تو میں اسے قبول کرلیں ۔بلکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے چند لگے بندھے ضابطے اور اصول ہیں جس کی کچھ روایات ہیں اور جس کے کچھ متعین اداب اور اسلوب ہیں۔ اور جسے کسی ملک میں کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے برسرِ اقتدار طبقے اور عوام کو ایک خاص مزاج کا حامل ہونا پڑتا ہے۔ یہاں ان اصول و ضوابط اور روایات کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں مگر جہاں جہاں یہ نظام رائج ہے وہاں چند باتیں بڑی نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک کا ہر گروہ اور طبقہ حکومت کو آئینی جدوجہد کے ذریعے تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زیرِ زمین سرگرمیوں اور سازشوں کو پنپنے کا کوئی موقع نہیں دیتا۔ دوسرے اس ملک میں ہر فرد کے اندر یہ احساس موجود رہتا ہے کہ جمہوریت کی گاڑی دو پہیوں پر چلتی ہے ایک حزبِ اقتدار اور دوسرا حزبِ اختلاف۔ جب تک ان دونوں پہیوں کے مابین توافق پیدا نہ ہو اس وقت تک جمہوری عمل جاری نہیں رہ سکتا۔ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے مابین جو چیز توافق پیدا کرتی ہے وہ دونوں طرف سے حوصلہ مندی وسعتِ ظرف اور رواداری کا مظاہرہ ہے۔ حزبِ اقتدار حزبِ اختلاف کی تنقید کو بڑے حوصلے کے ساتھ سُنتی ہے اور اس کی اس "گستاخی پر" اسے عذابِ الیم کی وعید سنانے اور تشدد کا نشانہ بنانے کے بجائے اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرتی ہے اور اس کی جن باتوں میں وزن ہو انہیں بڑی خوشدلی سے قبول کرتی ہے اور اس کی بے جا تنقید کا معقول اور مدلل طریقہ سے جواب دیتی ہے۔ حکومت کی پالیسیوں اور اس کی کاروائیوں پر اظہارِ خیال کرنا جمہوری نظام میں ہر فرد کا گویا وہ کا پیدائشی حق ہوتا ہے اس لیے کوئی جمہوری حکومت اس پر قدغن نہیں لگاتی۔ بلکہ اس جمہوری حق کا پورا پورا تحفظ کرتی ہے

اختلاف کی آواز کو دبانا اور جو فرد یا گروہ برسراقتدار طبقے کی ہاں میں ہاں ملانے سے گریز کرے اسے ایک خطرناک دشمن سمجھ کر ظلم و تشدد کا تختۂ مشق بنانا یہ تو نازیوں اور کمیونسٹ فسطائیوں کے ہتھکنڈے ہیں جمہوریت میں اُن کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جمہوری نظام میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے مابین لبسا اوقات کشمکش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس میں تلخی کا عنصر بھی ابھر آتا ہے۔ مگر ایسے مواقع پر بھی حزبِ اقتدار مشتعل ہو کر قانون اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی بلکہ انسانیت، شرافت اور رواداری کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرتی ہے۔ تاکہ اس کی اخلاقی برتری کا نقش عوام کے ذہنوں پر مرتسم ہو اور اس طرح اسے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک قبول عام حاصل ہو۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے جمہوریت کے اس بنیادی اصول کی جس طرح سے مٹی پلید ہوئی ہے اور اب ہو رہی ہے اس نے ہماری قومی عزت کو بالکل برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اختلاف کی آواز کو جبر و تشدد کے ذریعے دبانے اور عوام کی محرومیوں پر توجہ دینے کی بجائے ان کے بارے میں سنگدلانہ رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے سات کروڑ مسلمان ہندوؤں کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ مگر افسوس کہ پاکستان کا برسراقتدار طبقہ جمہوریت کا نعرہ بلند کرنے کے باوجود فاشسٹ طرزِ عمل کو اپنانے پر مصر ہے۔ سندھ میں لسانی جھگڑوں کی آڑ لے کر، جو سابق گورنر جناب رسول بخش تالپور کے قول کے مطابق خود حکومت نے کھڑے کیے تھے، عوام کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیا گیا۔ پھر کراچی میں مزدوروں پر جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے انہیں دیکھتے ہوئے کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے باور نہیں کر سکتا کہ اس ملک کا نظامِ حکومت جمہوری ہے۔ وہ اسے لازمی طور پر فاشسٹ نظام ہی سمجھنے پر مجبور ہے۔

برسراقتدار طبقے کے ان واضح فسطائی رجحانات کے باوجود امید کی ایک کرن باقی تھی کہ ممکن ہے مستقل آئین کے نفاذ کے بعد حکمران ٹولہ اپنی اس غلط روش کی اصلاح کر کے اس آئین کا احترام کرنے لگے جو خود اس کا بنایا ہوا ہے اور جس میں اُس نے اپنے آمرانہ مزاج اور عزائم کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے لیے بہت سی مراعات کے تحفظ کا التزام کیا ہے مگر برسراقتدار طبقے نے اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کی جس

ڈھٹائی کے ساتھ خلاف ورزیاں شروع کی ہیں اُن سے اُمیدوں کے سارے چراغ یکسر گل ہو گئے ہیں کسی ملک کے لیے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے دستور کا افتتاح ہی بنیادی حقوق کے تعطل سے کیا جائے اور صدر مملکت ایک ہی سانس میں جمہوری دستور کے نفاذ اور شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لینے کا اعلان کریں اور اس غیر جمہوری فعل پر نادم ہونے کی بجائے بھارت میں ہنگامی حالات کے نفاذ کو بطور نظیر پیش کریں درآنحالیکہ وہاں ہنگامی حالات کے باوجود سارے بنیادی حقوق معطل نہیں۔

جس آئین کا آغاز ہی اس کی بے حرمتی سے ہوا اور یہ مقدس فرض ان ہاتھوں سے سرانجام پائے جنہوں نے خود اس دستور کو مرتب کیا ہے۔ اس کا احترام اور اس کی پابندی کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ دلوں کا حال تو خدا ہی جانتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ جو نارواسلوک اس دستور کو تشکیل دینے والے اصحابِ اقتدار کر رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ بات صاف طور پر محسوس ہوتی ہے کہ یہاں کے حکمران خود بھی اس بات کے آرزومند ہیں کہ دستور بازیچہ اطفال بن جائے تاکہ انہوں نے آئین کی وفاداری کا حلف اٹھا کر جو چند پابندیاں قبول کرنے کی غلطی کی ہے اس سے اُس کا ازالہ ہو سکے۔ اور اُن کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی کو قوم اپنا دستور سمجھے۔ چنانچہ دستور کو عوام کی نگاہ میں بے وزن بنانے کے لیے ہر مرحلے پر کوشش کی جا رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں آرڈیننسوں کے ذریعے جو نئے ٹیکس عائد کیے گئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آئین میں اگرچہ نظام حکومت کو جمہوری تسلیم کیا گیا ہے مگر حکمران طبقے کا شاہانہ مزاج اس بات کو کسی صورت بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں کہ اہم قدم اٹھاتے وقت پارلیمنٹ سے مشورہ کر کے کوئی کارروائی کی جائے حالانکہ موجودہ پارلیمنٹ کی عظیم اکثریت وزیر اعظم بھٹو کے ہی خواہوں بلکہ پرستاروں کی ہے، اور اس ایوان میں اس بات کا ایک فیصد بھی خدشہ نہیں کہ وزیرِ اعظم صاحب کی معمولی سے معمولی خواہش کو بھی رد کیا جا سکے۔ مگر اس کے باوجود آرڈیننسوں کا سہارا صرف اس لیے لیا جاتا ہے کہ عوام کو بتایا جا سکے کہ برسر اقتدار طبقہ اگر ایوان میں آکر چند باتیں کہہ سن لیتا ہے تو یہ محض اس کی فیاضی ہے۔ ورنہ وہ اس تکلف کے بغیر ہی امورِ مملکت چلانے کا ہر لحاظ سے مجاز ہے۔

جس ملک میں دستور کو عملاً معطل کر دیا جائے، حزب اختلاف کا وجود محض ایک اسیر بن کر رہ جائے اور دہشت پسندی، غنڈہ گردی اور انتظامیہ کی قوت سے ملک پر حکمران طبقہ اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کرے وہ ملک لازمی طور پر جمہوریت کا مدفن اور فاشزم کا مسکن بنتا ہے۔ دستور کا جو حشر خود برسراقتدار طبقوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اس کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ جہاں تک دہشت پسندی اور غنڈہ گردی کا تعلق ہے اس کا یوں تو ہر روز مظاہرہ ہوتا ہے۔ مگر خاص طور پر متحدہ محاذ کے کارکنوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا ہے وہ جور و جفا کی تاریخ کا ایک نہایت ہی سیاہ باب ہے۔ اس حقیقت سے کون ناواقف ہے کہ گذشتہ دنوں متحدہ محاذ نے دفعہ ۱۴۴ کی ناروا پابندیوں کے خلاف نہایت ہی پُرامن احتجاج کا پروگرام بنایا۔ مگر حکمران طبقے نے پہلے تو اس احتجاج کے بارے میں سرکاری ذرائع ابلاغ سے کام لیتے ہوئے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ موجودہ حکومت کے خلاف ایک خوفناک سازش تیار کی گئی ہے۔ چنانچہ بھرے ہوئے جذبات اور منتقمانہ ذہنیت کے ساتھ محاذ کے کارکنوں کو کچلنے کے منصوبے بنائے گئے اور جب چند لوگ دفعہ ۱۴۴ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے نہایت ہی پرامن انداز سے باہر نکلے تو ان کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا گیا اس سے تازی ظلم و استبداد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس وقت محاذ کے کارکن اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے پہلے تو پولیس اور انتظامیہ انہیں غنڈوں سے پٹواتی ہے اور یہ غنڈے حکومت کی شہ پا کر اتنے بے خوف ہوتے کہ نہ صرف گرفتار ہونے والوں پر دستِ ظلم دراز کرتے بلکہ ان کے ہمدردوں اور تماشائیوں تک کو پیٹ ڈالتے اور پولیس انہیں "یہ فرض" سرانجام دینے کے لیے تحفظ دیتی حتیٰ کہ جب پولیس ان کارکنوں کو اپنی حراست میں لے کر گاڑی پہ بٹھا دیتی تو پھر یہ غنڈے گاڑی میں گھس کر اپنے دل کے ارمان نکالتے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہ ہوتا۔ بعض مقامات پر پولیس نے اپنی وفاداری اور حکومت سے تعلق خاطر ثابت کرنے کیلئے ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جس پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ ذی عزت اور شریف لوگوں کو بازاروں میں ننگا کر کے اس بے دردی سے پیٹا کہ ان میں سے بعض کی پسلیاں تک ٹوٹ گئیں۔ اُن کی عورتوں کی بڑے شرمناک طریقوں سے بے حرمتی کی گئی۔ برسراقتدار طبقے کی طرف سے اس قسم کی متشددانہ اور ذلیل کارروائیوں کا مقصد بجز اس کے کیا ہے کہ عوام کے اندر ظلم کے خلاف پرامن احتجاج کی بھی ہمت اور سکت باقی نہ رہے۔ اور اس ملک پر

ایک مخصوص گروہ بلکہ ایک خاص فرد کا پوری طرح تسلط قائم ہو جائے اور اس طرح یہاں فاشسٹ نظام رائج ہو اور فسطائی ذہنیت رکھنے والا آمر مطلق اس ملک کے عوام کی قسمت سے جس طرح چاہے کھیلتا رہے۔ اور اسے کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہ ہو۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اس قسم کے غیر مسئول اقتدار کا سودا صرف موجودہ دور کے بگڑے ہوئے مہم جو افراد کے ذہنوں میں ہی نہیں سمایا بلکہ قریب قریب ہر دور میں اس جنون میں مبتلا ہو کر بعض بڑے ذہین اور فعال لوگوں نے اپنے آپ کو تباہ کیا ہے اور قوموں اور ملکوں کی بھی تباہی کا باعث بنے ہیں۔ مگر افسوس کہ انسان نے دوسروں کے انجام سے بہت کم ہی سبق سیکھا ہے غیر مسئول اقتدار کا نشہ ہی ایسا ہے کہ وہ انسان سے غور و فکر کی ساری صلاحیتیں سلب کر لیتا ہے اور اسے اس زعم باطل میں گرفتار کر دیتا ہے کہ وہ اس عبرتناک انجام سے ہر طرح محفوظ رہے گا۔ جس سے دوسرے آمر دوچار ہوئے۔ لیکن یہ محض اس کی خام خیالی ہے۔ غیر مسئول اقتدار صرف اسی خالق کو زیب دیتا ہے۔ جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ مخلوق کی خدائی ہمیشہ تباہی و بربادی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ تاریخ میں کتنے ہی ایسے سر پھرے پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے اپنی خدائی کا تخت بچھایا مگر جلد ہی انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ اس کائنات کے خالق کو انسان کا جو طرز عمل سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور ناگوار ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بندے خدائی کا دعویٰ کرنے لگیں۔ یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کے لیے خالق کائنات نے دو باتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے ایک یہ کہ جو بندہ جتنا بڑا خدا بننے کا متمنی ہوتا ہے اُسی نسبت سے اُسے المناک انجام سے دوچار کیا جاتا ہے دوسرے باری تعالےٰ نے حکومت اور فرماں روائی کو مختلف افراد اور قوموں کے اندر ادل بدل کرتا رہتا ہے تاکہ کسی کے ذہن میں یہ باطل خیال راسخ نہ ہونے پائے کہ اس نے کسی مخصوص فرد یا مخصوص گروہ یا مخصوص قوم کو دائمی اقتدار کا پٹہ لکھ دیا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور با اختیار حکمران تقدیر کی ایک ضرب ہی سے تختہ دار پر پہنچا دیے جاتے ہیں۔ اور مظلوم اور مفلوک الحال لوگ پستی اور گم نامی کے گوشوں سے نکال کر مسند اقتدار پر متمکن کر دیئے جاتے ہیں۔ مالک الملک جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ خیر اور بھلائی کی کلید تنہا اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ

ذات جب بھی کسی کو منصب اقتدار سونپتی ہے یا اسے دنیا میں سربلند کرتی ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ بندوں کو اپنی خدائی یا اپنی کبریائی قائم کرنے کے لیے چھوڑ دے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا موقع دے کہ وہ اپنے طرز فکر اور طرز عمل سے یہ ثابت کرسکیں کہ اقتدار کی قوت کے باوجود وہ خدا کے مطیع بندے ہیں اور اس قوت کو ایک امانت سمجھ کر اسی طرح استعمال کر رہے ہیں جس طرح کہ اس قوت کے حقیقی مالک نے انہیں استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

برسر اقتدار گروہ میں کیا کوئی "رجل رشید" ہے یا نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن اگر اس میں فی الحقیقت کوئی ایسا فرد موجود ہے جو نشہ اقتدار میں ابھی تک اتنا بدمست نہیں ہوا کہ اقتدار کا انجام اس کی نظروں سے یکسر اوجھل ہوگیا ہو تو ہم اس کی خدمت میں بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ خدارا اپنے انجام پر غور کرو اور ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ جو ظالمانہ سلوک تم اس وقت اختلاف کرنے والوں کے ساتھ کر رہے ہو کیا تم یہ پسند کرو گے کہ وہی سلوک کل تمہارے ساتھ کیا جائے اور یہی غنڈے جنہیں تم آج اپنے مخالفین کو مارنے پیٹنے کی تربیت دے رہے ہو کل تمہاری ہڈیاں توڑنے کے لیے استعمال کیے جائیں۔ غنڈے کا کوئی ضمیر اور ایمان نہیں ہوتا۔ اسے تو صرف ایک چیز درکار ہوتی ہے کہ کوئی طاقتور ہاتھ اس کی پشت پر ہو اور وہ اس کی مدد سے کمزوروں اور بے بسوں پر دست ظلم دراز کرے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ یہ طاقتور ہاتھ کس فرد کا ہے اسے تو صرف جرم کرنے کے لیے اعانت چاہیئے اور جو اسے زیادہ تحفظ دینے کی ضمانت دے غنڈہ اس کا آلہ کار بن کر دوسروں پر پل پڑتا ہے۔ قریب قریب یہی ذہنیت انتظامیہ کے اس بے ضمیر طبقے کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو شاہ سے زیادہ شاہ کا خیر خواہ اور وفادار ثابت کرنے کے لیے شاہ کے مخالفین پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ عرصۂ حیات تنگ کرتا ہے تاکہ وہ شاہ اور اس کے مصاحبین کا منظور نظر بن سکے۔ اس طبقہ کی وفاداریوں کا حال بھی سب کو معلوم ہے۔ وہ اگر آج ایک شاہ کا اشارہ پا کر بلکہ اس کی خوشنودی کی خاطر دوسرے لوگوں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتا ہے تو کل دوسرے شاہ کے ہاتھ میں عنان اقتدار آنے کے بعد اقتدار سے محروم شاہ کے ساتھ بھی وہی انسانیت سوز سلوک کرتا ہے جو کل اس نے اس کی ایماء پر دوسروں کے ساتھ کیا تھا۔ اس قسم کے شاہ پرست لوگ صرف اقتدار کے غلام ہوتے ہیں۔ انہیں افراد سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اور ان سے ہر وہ شخص ہر جائز و ناجائز کام لے سکتا ہے جو مسند اقتدار پر براجمان ہو۔ کاش نشۂ اقتدار

میں ہوش و حواس کھو دینے والے حکمران اس حقیقت کو جان سکیں۔

اگر ہمارے ملک کا حکمران طبقہ تاریخ سے کوئی سبق لینے پر اپنے آپ آمادہ نہیں پاتا تو اُسے کم از کم ان حوادث سے تو سبق حاصل کرنا چاہیئے جن سے خود اُسے گزرنا پڑا ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ایک وقت میں معرض وجود میں آئے۔ بھارت کو جو مصائب اول روز ہی سے درپیش تھے پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ان سے کافی حد تک محفوظ رکھا تھا۔ دنیا کی نظروں میں بھی اگر پاکستان کا وقار بھارت سے زیادہ نہ تھا لیکن اس سے کسی طرح کم بھی نہ تھا۔ گو یہ حقیقت بڑی تلخ ہے، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان کے وقار کو گذشتہ چند سالوں میں بڑا دھچکا لگا ہے اور بھارت اپنی ساری غیر اخلاقی کاروائیوں اور بین الاقوامی معاہدات کی خلاف ورزیوں کے باوجود دنیا کی نظر میں زیادہ توجہ کا مستحق سمجھا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بھارت میں اس ملک کے قیام کے وقت سے لے کر آج تک ایک آئینی حکومت چل رہی ہے اور اس میں اس طرح کی غیر آئینی کاروائیاں نہیں ہوتیں جو ہمارے ہاں کا معمول بن گئی ہیں۔ دنیا آخر اس ملک اور اس کے حالات کو بھی دیکھ رہی ہے۔ دونوں ممالک کے سیاسی حالات میں جو بین اور نمایاں فرق ہے۔ اُسے دنیا کے ہوشمند افراد اور قومیں کس طرح نظرانداز کرسکتی ہیں۔ ان کی نظریں دونوں ممالک پر لگی ہوئی ہیں اور جس ملک کو وہ سیاسی استحکام آئین کی بالادستی اور جمہوریت کے نقطۂ نظر سے بہتر پاتی ہیں۔ وہ اس کی دوسری ساری کوتاہیوں کے باوجود اس کی طرف جھک جاتی ہیں۔

صحیح مسلم کا انگریزی ترجمہ اور تشریح

(از عبدالحمید صدیقی)

کی

تیسری جلد شائع ہوگئی ہے۔

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے طلب فرمادیں